Research Journal
Tahqeeqat
جلد:4، شمارہ:2، 2025ء
eISSN: 2791-0342
pISSN: 2791-0334
ریسرچ جرنل
تحقیقات

"میری ذات ذرہ بے نشان" بطور لسانی استعماریت

"Meri Zaat Zara-e-Benishaan" As a form of linguistic imperialism

Nazia Rukhsana
Lecturer (Visiting), Department of Urdu
University of Mianwali

Dr. Waqar Ahmad
Assistant Professor (Visiting) Department of Urdu
University of Mianwali

نازیہ رخسانہ
لیکچرار (وزٹنگ) شعبہ اردو یونیورسٹی آف میانوالی

ڈاکٹر وقار احمد
اسسٹنٹ پروفیسر (وزٹنگ) شعبہ اردو یونیورسٹی آف میانوالی

Abstract

In the popular novels of Umera Ahmed, there is frequent use of English words, which is not having a positive impact on the Urdu language and Pakistani society. This linguistic imperialism is not only introducing the English language but also transferring their cultural, social, political, and economic ideologies to our younger generation. As a result, a sense of inferiority is developing within our nation, and we are becoming subservient to them in every sphere of life. We begin to consider our religion, social values, and culture as inferior. Urdu is our identity, and the English nation seeks to erase that identity. Linguistic imperialism in language and literature is weakening the very roots of our culture. In Pakistani society, especially in Urdu literature, there is a significant use of English words in contemporary literary works. Umera Ahmed, in her novel "Meri Zaat Zarra-e-Benishan", extensively uses English vocabulary. In this novel, she incorporates English words into the text in various ways — not only by writing them in the English language but also by rendering them phonetically in Urdu script. One of the distinctive features of her style is that she narrates the story using the everyday language spoken in Pakistani society. In Pakistani culture, the Urdu and Punjabi languages commonly used in daily conversation are heavily infused with English vocabulary. Meri Zaat Zarra-e-Benishan presents a form of Urdu that reflects this linguistic reality, blending numerous English terms into the narrative.

Keywords: *Social Groupings, Imperialism, British Colonialism, Linguistic Imperialism, Linguists, Monopoly, Inferiority Complex, Pakistani Society, Colonies*

کلیدی الفاظ: سماجی گروہ بندیاں، سامراج، برطانوی استعمار، لسانی استعماریت، لسانی ماہرین، اجارہ داری، احساس کمتری، پاکستانی معاشرہ، نو آبادیاں

زبان انسانی ضروریات کے تحت جنم لیتی ہے۔ اس میں مختلف زبانوں کا جنم اس وقت ہوتا ہے جب انسان سماجی گروہ بندیوں میں بٹ جاتا ہے۔ خیالات کے تبادلے اور لین دین کے لیے زبان ہی ذریعہ اظہار بنتی ہے۔ انسانی سماج لسانی گروہ بندیوں پر بھی مشتمل ہوتا ہے جو انسان کی فکری، ذہنی طرز حیات کا امین ہوتا ہے۔ سماج ایک ایسا معاشرہ ہے جس کا نظام انسان اپنی ضروریات کے تحت تشکیل دیتا ہے۔ یہ رسم ورواج

،عقائد واعمال اور تہذیب و ثقافت کے مختلف پہلوؤں کو اپنے اندر سمولیتا ہے اور سماج کے اندر ان سب کا تبادلہ زبان کے تحت ہوتا ہے جو کبھی تقریری صورت میں ہوتا ہے اور کبھی تحریری صورت میں۔ڈاکٹر جمیل جالبی زبان کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"انسان اور حیوان میں یہی فرق ہے کہ انسان کے پاس بولتی ہوئی زبان ہے اور حیوان کی کنگ ہے۔یہی بولتی زبان انسانی شعور کی علامت ہے۔اس کے دکھ درد،خوشی غمی،خیال واحساس،جذبہ اور فکر و تجربہ کا اظہار ہے۔"(۱)

سامراج کو دیکھیں تو اس کی مختلف تعبیریں ملتی ہیں اور یہ بھی زبان پر اثر انداز ہوتا ہے۔سامراج سے مراد ایک قوم کے افراد کا دوسری قوم پر غلبہ اور اقتدار ہے۔یہ غلبہ کسی حکومت کے سوچے سمجھے منصوبے کا اور کبھی کسی فیصلے کا نتیجہ ہوتا ہے۔کبھی ایک قوم دور کی سرزمینوں میں نکل جاتی ہے اور وہاں کی اصل آبادی کو اپنا غلام بنالیتی ہے۔اس غلامی کی مثال برطانیہ کا ہندوستان پر غاصبانہ قبضہ ہے۔یورپی اقوام کا پسماندہ ممالک پر مسلط کردہ نو آبادیاتی نظام اس قبضے کی بہترین مثال ہے۔یہ برطانوی سامراج ہی تھا جس نے ہندوستان میں انگریزی زبان کو متعارف کروایا۔تاج برطانیہ کی طرف سے ہندوستان میں انگریزی زبان کے فروغ کے پیچھے اس خطے کی خیر خواہی کی کوئی سوچ نہیں تھی بلکہ انگریزی زبان کو نو آبادیاتی غلبے کے لیے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرنا تھا اور ہندوستانیوں کو یہ زبان سکھا کر برطانوی مفادات کے حصول کی راہ ہموار کرنی تھی۔

ہندوستان میں برطانوی استعمار کے پیش نظر یہ مقصد تھا کہ وہ انگریزی زبان کو "عظیم برطانیہ" کی علامت بنا کر ہندوستانیوں کے دلوں میں اپنی عظمت و برتری کا ایسا نقش بٹھانے میں کامیاب ہو جائیں گے جو مغل مسلمانوں کی تہذیبی عظمت کو مٹا ڈالے گا۔زبان کا ختم ہو جانا کسی تہذیب کے ختم ہو جانے کے مترادف ہے۔انگریزی زبان کے انجذاب نے برصغیر کے عظیم تہذیبی اور ثقافتی ورثے کو مسخ کر دیا۔لسانی استعماریت ایک ایسی غلامانہ صورت حال کو جنم دیتی ہے جس سے نو آبادیاتی ممالک سیاسی آزادی حاصل کرنے کے باوجود پوری طرح نجات حاصل نہیں کر سکتے ۔انگریزی زبان کے حامی نو آبادیاتی باشندے شعوری اور لا شعوری طور پر نئے سامراجی نظام کی جڑیں مضبوط کر رہے ہوتے ہیں۔پینی کک (Pennycook)اپنی کتاب The Cultural Politics of English as an International Language میں انگریزی زبان کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

"بین الاقوامی زبان کا ہر تصور مغربی سامراجیت کی اختراع ہے۔"(۲)

مغربی اقوام کی پرانی اور نئی نو آبادیاں ان کو سستی مزدوری اور خام مال فراہم کر رہی ہیں۔ان اقوام کے پاس اپنے نظریات اور تصورات کی منتقلی کا واحد ذریعہ زبان ہے یہی وجہ ہے کہ وہ تیسری دنیا کے معاشرتی اور معاشی نظام میں موجود ہیں۔انگریزی زبان کی استعماریت کے حوالے سے رابرٹ فلپسن (Robert Phillipson) اپنی کتاب Linguistics Imperialism میں ان سوالات کا احاطہ کرتے ہیں کہ کیسے انگریزی زبان بین الاقوامی زبان بنتی جا رہی ہے؟ وہ ان عوامل کا تجزیہ کرتے ہیں کہ کیسے انگریزی زبان نے غلبہ حاصل کیا اور اس کی وجوہات کیا ہیں؟ فلپسن نے ان طریقوں کی بھی نشاندہی کی ہے کہ کیسے انگریزی زبان حکومت قائم کرتی ہے اور اس حکومت کے پیچھے کون کون سے مقاصد کار فرما ہوتے ہیں؟ انگریزی زبان کی تدریس کا پیشہ اس کی حکومت کو کیسے استحکام بخشتا ہے؟ ان سوالات کے جواب میں فلپسن کا کہنا کہ انگریزی زبان کی ترقی سامراجی طاقت کا اظہار ہے جسے پوری دنیا میں انگریزی زبان کی تدریس کے ذریعے زبردستی نافذ کیا جاتا ہے اسے لسانی استعماریت کا نام دیا جا سکتا ہے۔

اس حوالے سے فلپسن کا کہنا ہے:

"سامراجی نظریہ ایک ایسے تصوراتی ڈھانچے پر مشتمل ہے جس میں پوری دنیا میں انگریزی زبان کے غلبے اور اس کی ترقی کے لیے کوششوں کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ سائنس پر اجارہ داری، میڈیا پر اجارہ داری اور تعلیمی نظام پر اجارہ داری ثقافتی سامراجیت کی ہی ذیلی اقسام ہیں۔ ایسے ہی لسانی استعماریت ہے۔ لسانی استعماریت سامراجیت کی تمام صورتوں میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ لہٰذا زبان ان صورتوں کے اظہار کا ذریعہ ہے۔"(۳)

لسانی استعماریت کی سادہ سی تعریف یہ ہے کہ اس سے مراد ایسا غلبہ ہے جس کی بنیاد دوسری زبانوں کی پسپائی اور استحصال پر قائم ہوتی ہے۔ لسانی استعماریت کا ایک مقصد اس تصور اور نظریے کو تقویت دینا بھی ہے کہ یورپی اقوام کے علوم کی تدریس ہو اور تیسری دنیا میں یہ احساس زندہ رہے کہ علم اور عظیم ادب صرف انگریزی زبان میں ہے اور یہ صرف یورپی اقوام کے پاس ہے۔ اس کے مقابلے میں تمام ایشیائی اور افریقی زبانیں کمتر اور پسماندہ ہیں۔ لسانی استعماریت معاشرتی تقسیم کی وجہ بنتی ہے۔ اس سے مقتدرہ طبقہ اور امیر طبقہ تو اعلیٰ تعلیمی اداروں سے فیض یاب ہوتا ہے مگر غریب اور پسماندہ طبقہ اپنی شناخت سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ استعمار اپنی زبان کو آفاقی قرار دیتے ہیں اور اسے محکوم باشندوں کو سیکھنے پر مجبور کرتے ہیں۔ ناصر عباس نیر اپنی کتاب مابعد نو آبادیات: اردو کے تناظر میں رقم طراز ہیں:

"کوئی زبان بجائے خود استعماری نہیں ہوتی اور نہ اس میں موجود علوم و ادبیات کے رگ و ریشے میں استعماری منشا سرایت کیے ہوتا ہے۔ استعماریت زبان کی جوہری خصوصیت نہیں اس کا مخصوص سیاسی استعمال ہے۔ یہی صورت علوم و ادبیات کی ہے: ان کی سیاسی استعماری تعبیرات کی جا سکتی ہیں اور ان تعبیرات کو سیاسی اور انتظامی قوت اور تعلیمی نصاب اور عمومی بحث و مباحثے کے ذریعے نافذ کرنے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔"(۴)

پاکستان برطانیہ کی سابقہ نو آبادی ہے جس کی بنیاد پر ابھی بھی انگریزی زبان ہر سطح پر چھائی ہوئی ہے۔ اس لسانی استعماریت سے ہمارا موجودہ تعلیمی نظام زوال کا شکار ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ یورپی اقوام کا نافذ کردہ وہ سامراجی نظام ہے جو ہمارے ثقافتی، سماجی، ادبی اور اقتصادی نظاموں میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ اس کی واضح مثال ہمارا تعلیمی نظام ہے۔ قیام پاکستان کے بعد جتنی بھی حکومتیں آئیں سب نے ہی انگریزی زبان کو اہمیت دی۔ پاکستانی حکومت انگریزی زبان کے تسلط سے مرعوب ہو کر اسے ملک کے تمام نجی اور قومی اداروں میں ذریعہ تعلیم کے طور پر نافذ کرنے کی کوشش کر رہی ہے مگر ہماری پس ماندگی کا یہ عالم ہے کہ ابھی تک ہمارا آئین اور قانون انگریزی زبان میں ہے۔ ملازمت کے اشتہارات میں انگریزی زبان میں مہارت کی شرط تحریر ہوتی ہے۔ انگریزی زبان کی ترویج و اشاعت میں پاکستانی میڈیا بھی اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ اس لسانی استعماریت سے ہماری شرح خواندگی شدید متاثر ہوئی ہے۔

تیسری دنیا کے ماہرین لسانیات اور محققین انگریزی زبان کے بڑھتے ہوئے دائرہ کار سے پریشان ہیں۔ دنیا کی قومی زبانوں میں شعوری اور لاشعوری طور پر انگریزی زبان کے الفاظ شامل ہوتے جا رہے ہیں۔ جس سے قومی زبانوں کے ختم ہونے کا خطرہ بڑھتا جا رہا ہے۔ ماہرین لسانیات زبان کی اس استعماری اجارہ داری کو ناجائز سمجھتے ہیں۔ کسی بھی زبان کا ختم ہو جانا تہذیب و ثقافت کے ورثے کا ختم ہو جانا ہے۔ اکیسویں صدی میں اس سے سب سے زیادہ خطرہ اقلیتی زبانوں کو لاحق ہے۔ اقلیتی زبانوں کے ختم ہو جانے سے ان میں موجود بہت سا قیمتی ادبی سرمایہ بھی ختم ہو جائے گا۔ اس

حوالے سے سکت ناب کنگاس (Skutnab kangas) کا کہنا ہے:

''تمام سرکاری زبانیں قاتل زبانیں ہیں۔ جب یہ زبانیں سکھائیں جاتی ہیں تو مادری زبانوں میں اضافے کی بجائے ان کی جگہ لے لیتی ہیں۔ یہ زبانیں وسیع سطح پر اقلیتی زبانوں کو ختم کرنے کی ذمہ دار ہیں۔ ان سب میں سے سب سے بڑی قاتل انگریزی زبان ہے۔''(۵)

انگریزی زبان کے غلبے میں بہت سے عوامل کار فرما ہیں۔ مشرقی اقوام کا اشرافیہ اور حکمران طبقہ اس کے پھیلاؤ میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ مغربی اقوام کی لسانی اور سامراجی اجارہ داری سے مشرقی اقوام ان کی تہذیب و ثقافت، نظریات اور علوم پر انحصار کرنے لگی ہیں۔ ایسا کرنے سے نہ صرف دنیا کی دوسری زبانیں سیکھنے سے محروم ہو جائیں گی بلکہ اپنی تہذیب و ثقافت مذہب نظریات اور سیاسی اور معاشرتی نظاموں سے لاتعلق بھی ہو جائیں گی۔ زبان کا یہ زوال انہیں ہمیشہ تیسری دنیا میں جانوروں جیسی زندگی گزارنے پر مجبور کر دے گا۔ ادب اور میڈیا میں انگریزی ذخیرہ الفاظ کا انجذاب اس خطرے کو اور ہوا دیتا ہے۔ مغربی اقوام کی معیشت بہت مضبوط ہے، ان کے پاس طاقت ہے اور یہ جدید آلات حرب سے بھی لیس ہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں یہ اقوام سب سے آگے ہیں۔ یہ اپنی تہذیب و ثقافت اور مذہب کے پرچار کے لیے ساری دنیا کے میڈیا پر قابض ہیں۔ مشرقی اقوام ان کی زبان سیکھنے اور ان کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہیں۔

سیاسی اور سامراجی نظام میں زبان طاقت کا بیانیہ ہوتی ہے۔ اس میں زبان کے شعوری استعمال سے دوسروں پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ سیاست دان زبان کی مہارت سے ہی کسی حد تک الیکشن میں کامیابی حاصل کرتے ہیں اور وہ اپنی چرب زبانی سے ہی لوگوں کی سوچ میں تبدیلی پیدا کرتے ہیں۔ وہ زبان کے وسیلے سے ہی اپنے تجریدی تصورات کو تجسیمی شکل میں پیش کرتے ہیں۔ جس طرح نو آبادیاتی نظام میں یورپی اقوام نے انگریزی زبان کے استعمال سے اپنی سیاسی اجارہ داری کو مستحکم کیا آج بھی ان کی پوری کوشش ہے کہ انگریزی زبان کے پھیلاؤ سے پوری دنیا پر اپنی حکومت قائم کریں اور وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو رہی ہیں۔ تیسری دنیا میں سوشل میڈیا پر انگریزی الفاظ کا استعمال یورپی اقوام کی سامراجی سوچ کو تقویت دے رہا ہے۔ فلپسن انگریزی زبان کے پھیلاؤ کے بارے میں رقم طراز ہے:

''فلپسن بین الاقوامی مونیٹری فنڈ، برٹش کونسل اور ورلڈ بینک کی مذمت کرتا ہے۔ اس لیے کہ یہ تیسری دنیا کے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں کہ انگریزی بولنے والے معاشرے تعلیم، معاشیات اور سیاست میں زیادہ تربیت یافتہ اور تعلیم یافتہ ہیں۔''(۶)

غلام ہندوستان کی تاریخ کے مشاہدے سے پتہ چلتا ہے کہ انگریزی زبان کی ترویج و ترقی کے پیچھے یورپی اقوام کے کیا مقاصد پوشیدہ تھے۔ سامراجی طاقتوں نے ہندوستان میں اپنے مخصوص مقاصد کے حصول کے لیے علم کو طاقت کا ذریعہ بنایا اور اس سے سیاسی مقاصد حاصل کیے۔ انھوں یہاں کی زبانوں، تاریخ، تہذیب و ثقافت اور ادب کا علم حاصل کیا تاکہ وہ سارے علم کو سیاسی طاقت بڑھانے کے لیے استعمال کر سکیں اور وہ اپنے ان مقاصد میں خاطر خواہ کامیاب بھی ہوئے۔ اردو ادب پر نو آبادیاتی نظام کے اثرات مجموعی طور پر تین قسم کے تھے۔ کچھ ادیبوں نے نو آبادکاروں اور ان کی تہذیب کا پر شکوہ تصور پیش کیا۔ کچھ ادیبوں نے یورپی تہذیب کے خلاف مزاحمتی رویے اپنائے جبکہ بعض نے درمیانی راستہ اختیار کیا۔ انھوں نے ہندوستانی اور یورپی تہذیب کے امتزاج کا تصور پیش کیا۔ موجودہ عہد میں آج بھی ہمیں ادب میں ایسے ہی رویے ملتے ہیں۔ اردو

زبان ہماری قومی شناخت کا درجہ رکھتی ہے لیکن سامراجی شکنجوں میں جکڑے ہوئے ہمارے حکمرانوں کی غفلت کی وجہ سے اسے حقیقی معنوں میں قومی زبان کا درجہ حاصل نہیں ہو سکا۔

یورپی اقوام ایشیا اور افریقہ کے مختلف ممالک پر قابض رہیں مگر انگریزوں نے ہمیں ذہنی غلامی کی ایسی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے کہ ہم ان کی زبان اور تہذیب و ثقافت سے پہلے سے بھی زیادہ مرعوب ہوتے جا رہے ہیں۔ ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ممالک اس ذہنی غلامی سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور جلد ہی اپنی قومی زبان کو اپنے دفاتر میں رائج کر دیا مگر پاکستانی قوم احساس کمتری کے ایسے مرض میں مبتلا ہے کہ آزادی حاصل کرنے کے بعد بھی ہم اپنی قومی زبان کو مسلم حیثیت دینے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ آج بھی ہم اردو زبان کی جگہ انگریزی زبان کو بالاتر سمجھتے ہیں۔ اس احساس کمتری کی واضح مثال پاکستان کے سکولوں، کالجوں اور تمام تعلیم گاہوں میں اردو میڈیم سے تعلیم یافتہ طلبہ کا مذاق بنایا جاتا ہے۔ اردو اور باقی پاکستانی زبانیں جاننے کے باوجود اگر کوئی انگریزی زبان نہیں جانتا تو لسانی استعمار کے اس دور میں وہ تعلیم یافتہ نہیں ہے۔ اس حوالے سے احمد ندیم قاسمی بیان کرتے ہیں:

> ”انگریزی عالمی زبان ہے۔ کرہ ارض آہستہ آہستہ سکڑ اور سمٹ رہا ہے۔ ہمیں یہ عالمی زبان ضرور سیکھنی چاہیے مگر کرہ ارض پر ایک نظر ڈالنے ہی سے آپ کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ انگریزی کی عالمگیری تسلیم کرنے کے باوجود جرمنوں، فرانسیسیوں، اطالویوں، مصریوں، شامیوں، روسیوں، چینیوں، جاپانیوں، ملائشیوں، انڈونیشیوں ۔۔۔۔ غرض سب کی اپنی قومی زبانیں ہیں، وہ یہی زبانیں بولتے اور انہی زبانوں میں لکھتے ہیں اور ترقی یافتگی کے معاملے میں سب سے آگے ہیں مگر ہم ہیں کہ اپنی قومی زبان کو رابطے کی بھی زبان تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ کسی بھی آزاد قوم کے لیے یہ کتنا بڑا سانحہ اور کتنا عظیم المیہ ہے۔“(۷)

انگریزوں کی آمد اور برطانوی راج سے برصغیر کی زبانوں میں لسانی عمل دخل شروع ہوا۔ انگریزی زبان کے الفاظ اور اصطلاحات شعوری اور لاشعوری طور پر بغیر کسی لسانی اصول کے اردو زبان میں شامل ہو رہے ہیں۔ اردو زبان میں جذب ہونے والے بیشتر انگریزی الفاظ اپنے سیاق و سباق سے ماورا بے محل زبان زد خاص و عام ہوتے جا رہے ہیں۔ اس بات کا احساس شاید بولنے والے کو نہیں ہوتا۔ جدید ذرائع ابلاغ کی وجہ سے لسانی نفوذ کا عمل تیز تر ہو گیا ہے جس کے نتیجے میں ٹیلی ویژن، ریڈیو، اخبارات اور ادب میں کھلم کھلا انگریزی الفاظ کو کبھی اردو رسم الخط میں تو کبھی انگریزی حروف تہجی میں بولا اور لکھا جانے لگا ہے۔ اگر انگریزی الفاظ کا نفوذ کسی طے شدہ طریقہ کار کے مطابق ہو تو اردو زبان کسی بھی نقصان کے اندیشے سے محفوظ ہو جائے گی۔

ایسے الفاظ کی کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جیسے پاکستان میں لیڈی کا لفظ عام طور پر عورت کے لیے استعمال ہونے لگا ہے جبکہ لیڈی کا مطلب معزز خاتون ہے اور یہ ایک برطانوی خطاب بھی ہے۔ اسی طرح انگریزی زبان کا ایک لفظ ڈیپارٹمنٹل سٹور ہے جسے پاکستان میں کسی بھی دکان کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جبکہ ڈیپارٹمنٹل اسٹور کا مطلب کسی ڈیپارٹمنٹ یا محکمے کا ایسا اسٹور ہے جو اس ڈیپارٹمنٹ کے ملازمین کے لیے قائم کیا گیا ہو اور جہاں سے صرف اس محکمے کے لوگ ہی چیزیں حاصل کر سکتے ہوں مثلاً پولیس یا فوج کا ڈیپارٹمنٹ اسٹور۔ اس طرح کے بہت سے الفاظ کی مثالیں موجود ہیں۔ اردو کا شمار دنیا کی بڑی زبانوں میں ہوتا ہے اور اس میں وسیع ذخیرہ الفاظ موجود ہیں۔ پھر بھی اردو زبان میں انگریزی زبان کا بے

محل استعمال سمجھ سے بالاتر ہے۔ اردو زبان کے حوالے سے انور شاہد کا لکھتے ہیں:

"بی بی سی کی رپورٹ کے مطابق اس وقت دنیا میں ایک ارب سے زائد افراد اردو بول اور سمجھ سکتے ہیں۔"(۸)

اردو میں انگریزی الفاظ بکثرت داخل ہو رہے ہیں۔ عالمگیریت کے تناظر میں انگریزی کو عالمی زبان کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ انگریزی کو یہ حیثیت نو آبادیات کے نتیجے میں ملی۔ انگریزی نے بعض نو آبادیوں میں قاتل زبان کا کردار بھی ادا کیا ہے۔ نو آبادیاتی نظام کے خاتمے کے طویل عرصے کے بعد بھی انگریزی علم، اقتدار کی زبان اور سماجی مرتبے کی علامت ہے۔ لسانی استعماریت سے مابعد نو آبادیاتی عہد میں نئی جہت پیدا ہوئی ہے۔ یہ کہنا غلط نہیں ہو گا کہ انگریزی راج کی پشت پر عالمی طاقتیں ہیں۔ تیسری دنیا کے ممالک لسانی استعماریت کا نشانہ بن رہے ہیں مگر ان کے باشندے انگریزی نہیں پڑھ سکتے ایک مخصوص طبقہ ہی انگریزی پڑھ سکتا ہے۔ انگریزی پڑھنے والا اور انگریزی لکھنے والا طبقہ حقیقتاً وہ جماعت ہے جو اردو یا دوسری مقامی زبانوں میں انگریزی کا جابجا پیوند لگانے میں فخر محسوس کرتی ہیں۔ اس لسانی استعماریت سے بہت روشن خیال رکھنے والے نوجوان ناول نگار، افسانہ نگار، سفر نامہ نگار اور شاعر اپنے متون میں انگریزی الفاظ کا بہت زیادہ استعمال کر رہے ہیں۔ پاپولر فکشن کے منظر نامے پر جن خواتین ناول نگاروں نے مقبولیت حاصل کی ہے ان میں آمنہ مفتی، بشریٰ رحمٰن، ماہا ملک، فرحت اشتیاق، نمرہ احمد اور عمیرہ احمد کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان ناول نگاروں کے ہاں اردو الفاظ کے مترادفات ہونے کے باوجود کثرت سے انگریزی الفاظ کا استعمال ملتا ہے۔ اس استعمال کی وجہ لسانی استعماریت اور ہماری ذہنی غلامی نظر آتی ہے۔

پاکستان میں عمیرہ احمد کے ناولوں میں نوجوان نسل کی دلچسپی کی خاص وجہ ان کی کہانیوں کے موضوعات، روز مرہ زندگی کے چلتے پھرتے کردار، عصر حاضر کے مسائل کی تصویر کشی اور تصوف کی چاشنی ہے۔ وہ اپنے ناولوں میں صرف مشرقی کردار ہی پیش نہیں کرتیں بلکہ مغربی کردار بھی ان کے ناولوں کی زینت بنتے ہیں۔ ان کے پاس کہانی کہنے کا فن بھی ہے اور منفرد اسلوب بھی۔ عمیرہ احمد کی تحریروں پر مختلف تنقیدی آرا ملتی ہیں۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ عمیرہ احمد پاپولر فکشن لکھتی ہیں اور ان کو اس کام کے لیے ایک خاص طبقہ فکر کی حمایت حاصل ہے۔ عمیرہ احمد کا تعلق بھی اسی پاکستانی معاشرے سے ہے جہاں زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نظر نہیں آتا جہاں لسانی استعماریت کا راج نہ ہو۔ ادب کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں روز مرہ زندگی کا عکس نظر آتا ہے اور پاکستانی معاشرے کی روز مرہ زندگی میں جو زبان استعمال ہوتی ہے۔ اس میں انگریزی الفاظ کو کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے۔ میری ذات ذرہ بے نشاں عمیرہ احمد کا رومانوی ناول ہے۔ جس کا انجام المناک ہوتا ہے۔ اس ناول میں مرد اور عورت کے رشتے، عورت پر جبر و استحصال، عورت کی عصمت اور محبت اور پاکستان کی معاشرتی اور تہذیبی زندگی کو پیش کیا گیا ہے۔ ناول کا پلاٹ سادہ ہے اور دلچسپ واقعات پر مبنی ہے۔ جب کہانی کے کڑی سے کڑی ملتی ہے تو دلچسپ اور تجسس پیدا کرنے والے واقعات قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔ عمیرہ احمد قاری کی دلچسپی برقرار رکھنے کے لیے امید و بیم، حیرت، تذبذب اور تجسس کو مد نظر رکھتے ہوئے کہانی کو آگے بڑھاتی ہیں۔

پاکستان کے سماج میں جو ادب تخلیق ہو رہا ہے بالخصوص اردو ادب میں انگریزی الفاظ کا بہت زیادہ استعمال کیا جا رہا ہے۔ عمیرہ احمد نے اپنے ناول میں میری ذات ذرہ بے نشاں میں بہت زیادہ انگریزی الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ عمیرہ اپنے اس ناول میں انگریزی زبان کے الفاظ کو مختلف انداز سے ناول کے متن کا حصہ بناتی ہیں۔ جس میں وہ انگریزی الفاظ کو انگریزی زبان میں نہیں بلکہ اردو زبان میں لکھتی ہیں البتہ کہیں کہیں انگریزی زبان میں بھی لکھتی ہیں اس ناول کے اسلوب کی یہ خوبی ہے کہ وہ پاکستانی سماج کی عام روز مرہ زندگی کی زبان میں ناول کی کہانی بیان کرتی ہیں۔ پاکستانی

معاشرے میں جو اردو اور پنجابی زبانیں بولی جاتی ہیں ان میں بہت زیادہ انگریزی زبان کے الفاظ شامل ہیں۔ میری ذات ذرہ بے نشاں میں ایسی ہی اردو زبان پڑھنے کو ملتی ہے جس میں انگریزی زبان کے بہت سے الفاظ شامل ہیں۔ اس ناول سے اقتباس درج ذیل ہے جس میں عام بولی جانی والی اردو زبان کا عکس نظر آتا ہے:

> ''عارفین کی بڑی بہن نے نیچے جا کر اپنے باپ کو سب کچھ اسی طرح بتا دیا تھا جس طرح تائی امی کہہ رہی تھیں۔ وہ آگ بگولا ہو کر اوپر آئے تھے۔ تائی نے انہیں دیکھتے ہی اپنی بین اور دہائیوں کا سلسلہ دوبارہ شروع کر دیا۔ صبا کو دیکھتے ہی وہ آپے سے باہر ہو گئے۔''(۹)

عمیرہ احمد ''میری ذات ذرہ بے نشاں'' میں بہت سے انگریزی الفاظ کو ترجمہ کرنے کی بجائے بلا واسطہ لکھ دیتی ہیں۔ ناول میں ایسے بہت سے جملے موجود ہیں جن میں انگریزی الفاظ کا استعمال ملتا ہے۔ جملے درج ذیل ہیں:

۱۔ بیل بجانے پر ایک لمبا تڑنگا چوکیدار نمودار ہوا۔(۱۰)

۲۔ آپ کی فیملی کو تو کوئی اعتراض نہیں ہو گا؟(۱۱)

۳۔ اس نے کار کی رنگ ہلاتے ہوئے اپنا پروگرام بتایا تھا۔(۱۲)

۴۔ قد آدم کھڑکیوں میں سے باہر کا وسیع لان اپنی پوری خوبصورتی سے نظر آ رہا تھا۔(۱۳)

۵۔ ابھی اس نے اپنا کپ ہاتھ میں لے لیا تھا۔(14)

۶۔ سارہ نے ان کے اصرار پر جاب چھوڑ دی تھی۔(15)

۷۔ حیدر بھی لنچ کرنے گھر نہیں آتا۔(16)

۸۔ سارہ نے بے اختیار پین کی طرف دیکھا تھا۔(17)

۹۔ عارفین انکل!(18)

۱۰۔ باقی کزنز کے ساتھ بیٹھی وہ بھی تالیاں بجاتی۔(19)

۱۱۔ بہر حال آئی ایم سوری۔(20)

۱۲۔ سبجیکٹس کون سے تھے آپ کے؟(21)

۱۳۔ اس کا موڈ یکدم خراب ہو گیا تھا۔(22)

محل وقوع کے اعتبار سے پاکستان کا شمار تیسری دنیا کے ان ممالک میں ہوتا ہے جہاں برطانیہ اور دیگر یورپی اقوام نے راج کیا ہے۔ براج بہاری کچرو کے مطابق یورپ کی سابقہ نو آبادیاں بھی انگریزی زبان کے پھیلاؤ میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ انگریز قوم کے جانے کے باوجود بھی انگریزی زبان کا راج بدستور قائم ہے۔ یہ مابعد نو آبادیاتی عہد کے باشندے آج بھی اپنی قومی اور مقامی زبانوں کے بارے میں احساس کمتری کا شکار ہیں۔ مقامی زبانوں میں انگریزی الفاظ کا کثرت سے استعمال اور انگریزی زبان کو سیکھنا ان میں احساس برتری کو پیدا کرتا ہے پاکستان میں ابتدائی

جماعتوں سے بی۔اے کی سطح تک انگریزی زبان کو لازمی مضمون کی حیثیت سے پڑھایا جاتا ہے۔بد قسمتی کی بات یہ ہے کہ انگریزی زبان کے مقابلے میں اردو کی تدریس کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی جاتی۔

انگریزی الفاظ کے بے تحاشہ استعمال اور ان کے مترادفات کی نشاندہی بھی کی جاتی ہے۔اگر مندرجہ بالا الفاظ کے استعمال کا تجزیہ کیا جائے تو پہلے انگریزی لفظ فیملی لیجیے جو اردو میں لفظ خاندان، اہل و عیال اور کنبے کے مترادف ہے۔یورپی ممالک میں لفظ فیملی ایک مخصوص خاندانی اکائی کی نمائندگی کرتا ہے جبکہ پاکستان میں فیملی لفظ کے برعکس خاندان کا لفظ انسانی رشتوں کے ایک وسیع اور مربوط نظام کو پیش کرتا ہے۔عمیرہ احمد جب اپنی فکشن میں فیملی کا بہترین اردو مترادف ہونے کے باوجود انگریزی لفظ فیملی استعمال کرتی ہیں تو اس سے معنوی تفہیم نہیں ہوتی اور قاری یہی سمجھنے لگتا ہے کہ یورپ اور پاکستان میں خاندانی نظام ایک جیسا ہی ہے۔انگریزی زبان کے الفاظ آئی ایم سوری، تھینک یو اور ہیلو ایسے الفاظ ہیں جن کے بہترین مترادفات اردو زبان میں موجود ہیں۔ان الفاظ کا عمیرہ احمد کی فکشن میں استعمال لسانی استعماریت کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ اردو الفاظ کی موجودگی میں ہم ان الفاظ کا کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ان الفاظ کو پاکستانی معاشرے میں پھیلانے میں مقبول عام فکشن کے لکھاری اور پاکستانی میڈیا بھی اہم کردار ادا کر رہا ہے۔

انگریزی زبان کو پاکستان میں ثانوی زبان کا درجہ حاصل ہے۔پاکستان میں انگریزی زبان میں بھی ادب تخلیق ہو رہا ہے اور اردو کی تخلیقی ادب میں بھی انگریزی الفاظ کا کثرت سے استعمال ہو رہا ہے۔عمیرہ احمد اپنے متن میں انگریزی الفاظ کو منتقل کرنے کے لیے کوڈ مکسنگ کا طریقہ بھی استعمال کرتی ہیں۔براج بہاری کچرو کے مطابق مصنف انگریزی الفاظ کو مقامی زبان کے متن میں استعمال کرتا ہے۔کوڈ مکسنگ کی جسے کچرو کوڈ شفٹنگ بھی کہتا ہے، بہت سی مثالیں میری ذات ذرہ بے نشاں میں موجود ہیں۔وہ کوڈ شفٹنگ کے ذریعے انگریزی الفاظ کو جملوں کا حصہ اس طرز تحریر سے بناتی ہیں:

۱۔ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے انھوں نے جواب دیا۔(23)

۲۔ انھوں نے گاڑی ریورس کرتے ہوئے پوچھا تھا۔(24)

۳۔ بس اتنا کہ ان کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔(25)

۴۔ وہ باتھ روم کا دروازہ کھول کر باتھ روم میں چلی آئی۔(26)

۵۔ وہ کچھ نروس سی کرسی پر بیٹھ گئی۔(27)

۶۔ شاید وہ صرف مجھے کمپنی دینے کے لیے کھانا کھانے بیٹھے تھے۔(28)

۷۔ انھوں نے وارڈروب کھولی تھی۔(29)

۸۔ اس نے یونی ورسٹی میں داخلہ لے لیا تھا۔(30)

۹۔ خیر میں نے ایکسکیوز کرنے کو تو نہیں کہا۔(31)

۱۰۔ حیدر نے سویٹ ڈش کھاتے ہوئے اسے کہا تھا۔(32)

عمیرہ احمد نے ناول "میری ذات ذرہ بے نشاں" میں جملے کی ساخت کو مد نظر رکھتے ہوئے چست اور چھوٹے چھوٹے جملے استعمال کیے ہیں۔ کہانی میں انگریزی الفاظ اور جملوں سے ایک خاص تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تیسری دنیا کے ممالک میں لسانی استعماریت نئے استعمار کو جنم دے رہی ہے جس وجہ سے تمام ثقافتی رشتے طاقت کے رشتوں میں بدل رہے ہیں۔ لسانی استعماریت سے مغربی استعمار تیسری دنیا کی اقوام کو معاشی، معاشرتی، تعلیمی اور لسانی حوالے سے زیر نگیں رکھتا ہے۔ اس کے رد عمل میں نئی تہذیبی، علمی اور فکری مباحث جنم لیتے ہیں۔ لسانی استعماریت سے پسماندہ اقوام ثقافتی، تعلیمی اور ادبی سطح پر مغلوب ہوتی جارہی ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۰۸ء)، ص:۱

۲۔ الاسٹیر پینی کک، The Cultural Politics of English as an International Language، (نیویارک: روٹ لیج ٹیلر اینڈ فرانسس گروپ، ۲۰۱۳ء)، ص:۱

۳۔ رابرٹ فلپسن، Linguistic Imperialism، (آکسفرڈ: یونی ورسٹی پریس، ۱۹۹۲ء)، ص۸۵

۴۔ ناصر عباس نیر، مابعد نو آبادیات اردو کے تناظر میں، (کراچی: آکسفرڈ یونی ورسٹی پریس، ۳۲۰۱ء، ص:۵۳

۵۔ سکت ناب کنگاس، Linguistic Diversity and Biodiversity، (نیویارک، ۲۰۰۳ء)، ص۲۵

۶۔ رابرٹ فلپسن، Linguistic Imperialism، (آکسفرڈ: یونیورسٹیپریس، ۱۹۹۲ء)، ص۸۵

۷۔ احمد ندیم قاسمی، ترتیب و تدوین سید شوکت علی شاہ: اردو زبان مسائل اور امکانات، مشمولہ مقالات عالمی اردو کانفرنس ملتان، (لاہور: خزینہ علم و ادب، ۲۰۰۴ء)، ص۳۷

۸۔ https://dailypakistan.com.pk/22.oct.2014/155139

۹۔ عمیرہ احمد، میری ذات ذرہ بے نشاں، (لاہور: زاہدہ نوید پرنٹرز، ۲۰۰۸ء)، ص۳۶

۱۰۔ ایضاً، ص۱۱

۱۱۔ ایضاً، ص۱۴

۱۲۔ ایضاً، ص۱۶

۱۳۔ ایضاً، ص۱۸

۱۴۔ ایضاً، ص۱۸

۱۵۔ ایضاً، ص۲۵

۱۶۔ ایضاً، ص۲۶

۱۷۔ ایضاً، ص۲۶

۱۸۔ ایضاً، ص۳۰

۱۹۔ ایضاً، ص۳۱
۲۰۔ ایضاً، ص۳۳
۲۱۔ ایضاً، ص۳۴
۲۲۔ ایضاً، ص۳۸
۲۳۔ ایضاً، ص۴۲
۲۴۔ ایضاً، ص۴۶
۲۵۔ ایضاً، ص۵۲
۲۶۔ ایضاً، ص۵۶
۲۷۔ ایضاً، ص۵۷
۲۸۔ ایضاً، ص۶۴
۲۹۔ ایضاً، ص۶۷
۳۰۔ ایضاً، ص۶۸
۳۱۔ ایضاً، ص۶۹
۳۲۔ ایضاً، ص۶۹

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Roman Havalajat

1. Dr. Jameel Jalibi, *Tareekh-e-Adab-e-Urdu* (Lahore: Majlis Taraqqi Adab, 2008), P:1
2. Alastair Pennycook, *The Cultural Politics of English as an International Language* (New York: Routledge Taylor & Francis Group, 2013),P: 1
3. Robert Phillipson, *Linguistic Imperialism* (Oxford: University Press, 1992), P: 85
4. Nasir Abbas Nayyar, *Ma'baad No-Abadiyat Urdu ke Tanazur Mein* (Karachi: Oxford University Press, 2013),P:53
5. Skutnabb-Kangas, *Linguistic Diversity and Biodiversity* (New York, 2003), P: 25
6. Robert Phillipson, *Linguistic Imperialism* (Oxford: University Press, 1992), P:85
7. Ahmad Nadeem Qasmi, Tarteeb-o-Tadween: Syed Shaukat Ali Shah, *Urdu Zaban: Masail aur Imkanaat*, mashmoola *Maqalat Aalmi Urdu Conference Multan* (Lahore: Khazina Ilm-o-Adab, 2004),P:37
8. https://dailypakistan.com.pk/22.oct.2014/155139
9. Umera Ahmed, *Meri Zaat Zarra-e-Benishan* (Lahore: Zahida Naveed Printers, 2008),P: 36
10. Ibid, P: 11
11. Ibid, P: 14
12. Ibid, P: 16
13. Ibid, P:18
14. Ibid, P:18

15. Ibid, P: 25
16. Ibid, P: 26
17. Ibid, P: 26
18. Ibid, P:30
19. Ibid, P: 31
20. Ibid, P:33
21. Ibid, P: 34
22. Ibid, P:38
23. Ibid, P: 42
24. Ibid, P:46
25. Ibid, P: 52
26. Ibid, P:56
27. Ibid, P:57
28. Ibid, P:64
29. Ibid, P: 67
30. Ibid, P:68
31. Ibid, P:69
32. Ibid, P:69